Negotiations 4:2 (Dec. 2024) pp. 261-269 ISSN: 2789-293X

اردو افسانہ "پرمیشر سنگھ" کا ردِ تشکیلی مطالعہ

A Deconstructive Study of the short story "Parmeshar Singh"

Dr. Ghulam Farida
Assistant Professor Urdu, International Islamic University, Islamabad
ghulam.farida@iiu.edu.pk

KEYWORDS

Ahmed Nadeem Qasmi
Parmeshar Singh
Deconstruction
Urdu
Short Story
Exemplary Character
Thematic

DATES

Received	**10-11-2024**
Accepted	**25-11-2024**
Published	**31-12-2024**

QR CODE

ABSTRACT

Ahmad Nadeem Qasmi is one of the prominent fiction writers of Urdu literature. He is famous for his rural contextual short stories. He has also written fiction about migration and riots “Parmeshar Singh” is his representative short story written in this context. In this short story, Parmeshar Singh is presented as an exemplary character who has a secular mindset. However, society does not accept this thought. In this article a deconstructive study of the text has been made to understand the short story. It has been noted that there are gaps in the thematic and technical aspects

DOI:
https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/authorDashboard/submission/123

تلخیص:

احمد ندیم قاسمی کا شمار اردو ادب کے ممتاز افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں میں پنجاب کی دیہی زندگی کی عکاسی سرفہرست ہے۔ انھوں نے ہجرت اور فسادات کے بارے میں افسانے بھی افسانے لکھے ہیں "پرمیشر سنگھ" اس تناظر میں لکھا گیا افسان ہے۔ اس افسانے ت میں پرمیشر سنگھ کو ایک مثالی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو سیکولر ذہنیت کا حامل ہے۔ تاہم معاشرہ اس سوچ کو قبول نہیں کرتا۔ اس مضمون میں افسانے کو سمجھنے کے لیے متن کا غیر تعمیری مطالعہ کیا گیا ہے۔ یہ بحث کی گئی ہے کہ موضوعاتی اور تکنیکی پہلوؤں میں خلا موجود ہیں۔

احمد ندیم قاسمی اردو ادب کا ایک اہم حوالہ ہیں اور افسانہ نگار، شاعر اور نقاد کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ ان کے افسانے انسانی جذبات، سماجی حقائق اور روز مرز ندگی کی پیچیدگیوں کو بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں عام لوگوں کو درپیش سماجی مسائل کو پیش کرتے ہیں جن میں غربت، طبقاتی تفاوت، صنفی عدم مساوات اور دیہی زندگی کے مسائل شامل ہیں۔ انکے افسانے اکثر کردار مرکزیت ہوتے ہیں جن کے ذریعے وہذاتی اور سماجی دونوں طرح کے انسانی رشتوں کو پیش کرتے ہیں۔ بحیثیت افسانہ نگار ان کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اپنے افسانوں میں دیہی سماج اور اس سے جڑے مسائل کی عمدہ عکاسی کی ہے۔۔ پرمیشر سنگھ کا شمار ان کے معروف افسانوں میں ہوتا ہے جس میں انھوں نے بے لاگ حقیقت نگاری کو گہری معنویت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پرمیشر سنگھ فسادات کے تناظر میں لکھا گیا افسانہ ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار پرمیشر سنگھ ہے جس کا پانچ سالہ بیٹا کرتار سنگھ تقسیم کے فسادات میں کھو جاتا ہے اور جس کی تلاش کے باوجود کہیں سے خبر نہیں ملتی۔ اس افسانے کا دوسرا مرکزی کردار اختر ہے جو اپنی ماں سے بچھڑ جاتا ہے اور اتفاقیہ طور پر سکھوں یعنی پرمیشر سنگھ اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ لگ جاتا ہے۔ سکھ اس کو جان سے مار دینے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وہ مسلمان ہے۔ تاہم پرمیشر سنگھ انھیں مارنے سے روکتا ہے۔ چنانچہ سکھ اختر کو پرمیشر سنگھ کے حوالے کر دیتے ہیں تاکہ وہ اسے کرتار ابنالے۔

پرمیشر سنگھ کے ہاں رہتے ہوئے اختر ہر وقت اپنی ماں کے پاس جانے کی ضد کرتا ہے جبکہ پرمیشر سنگھ کو اس میں اپنے کھوئے ہوئے بیٹے کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ گرنتھی اور پڑوسی اسے اجازت دے دیتے ہیں کہ وہ اس کو سکھ بنالے۔ لیکن اختر کے اس مطالبے سے کہ "میں اماں پاس جاؤنگا" وہ دہل جاتا ہے۔ یہ احساس اسے ہر وقت بے چین رکھتا ہے کہ وہ ایک مسلمان بچے سے زبردستی اس کا مذہب چھڑا کر اپنے مذہب کا پیروکیوں بنایا جائے۔ لہٰذا وہ اسے اس کی ماں کے پاس واپس چھوڑنے چلا جاتا ہے جبکہ کہ پرمیشر سنگھ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کی ماں نئے وطن میں کہاں ہوگی۔ سرحد کے قریب وہ اختر کو نئے وطن کی طرف روانہ کر دیتا ہے تا ہم اسے جلد ہی احساس ہوتا ہے کہ وہ اس کے کیس کاٹنا بھول گیا تھا۔ جب وہ بھاگ کر اختر کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو ایک گولی کا نشانہ بن جاتا ہے جو کہ اس کی ران میں لگتی ہے۔ اس وقت وہ کہتا ہے:

"مجھے کیوں مارا تم نے۔ میں تو اختر کے کیس کاٹنا بھول گیا تھا۔ میں اختر کو اس کا دھرم دینے آیا تھا یارو۔"(1)

افسانے کا عنوان مرکزی کردار کے نام پر ہے لہذا پہلے پیراگراف کے بعد کہانی اسی مرکزی کردار کے گرد گھومتی ہے۔ ہر منظر میں پر میشر سنگھ موجود ہے۔ افسانے کا بنیادی موضوع مذہبی تفریق اور انتہا پسندی ہے تاہم ان کے محرکات نہ تو سیاسی ہیں اور نہ تاریخی بلکہ سراسر سماجی ہیں۔ افسانے کا پلاٹ خط مستقیم میں چلتا ہے اور اس کا راوی ہمہ بیں ہے۔ افسانے کی ابتدا اختر کے خاندان یعنی اس کی والدہ کے بیان سے ہوتی ہے تاہم یہ کردار صرف ابتدائی پیرگراف تک محدود ہو جاتا ہے اور بعد میں کہانی پر میشر سنگھ کو مرکز بنا لیتی ہے۔ افسانے کے متحرک کرداروں میں پر میشر سنگھ، اس کی بیوی بنتو، بیٹی امر کور اور اختر شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ذیلی کرداروں میں اختر کی ماں، پریتم کور، گیان سنگھ، گرنتھی جی اور سنتوکھ سنگھ شامل ہیں۔ اجتماعی کرداروں میں سکھ، گلی کی عورتیں، بچے، پڑوسی، شرنارتھی، سپاہی اور پولیس والے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ افسانے میں کچھ مذہبی کرداروں کا بھی ذکر ہے جن میں خدا، واہگورو جی، اور رسول شامل ہیں جو کہ محض عقیدے کی سطح پر لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں۔ افسانے کے متکلم کردار ذہنی الجھن اور اضطراب کا شکار ہیں جس کی وجہ پوسٹ ٹرامیٹیک سٹریس ڈس آرڈر (Post-Traumatic Stress Disorder) ہے۔

افسانے کی قرات کے بعد یہ سوال قائم ہوتا ہے کہ آیا یہ پر میشر سنگھ کی ٹریجڈی ہے، اختر کی یا اس کی ماں کی۔ اختر ایک کم سن کردار ہے لہذا اس کے لیے شعوری سطح پر حالات کی سنگینی کو سمجھنا مشکل ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ صرف اپنی ماں سے نہیں بچھڑا بلکہ وہ اور اس کی ماں اب دو الگ الگ ملکوں کے باشندے ہیں۔ وہ صرف یہ جانتا ہے کہ جب بھی روئے گا اور ماں کے پاس جانے کی ضد کرے گا تو اسے اپنی ماں کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ ابتدائی پیراگراف کے بعد اختر کی ماں کے بارے میں چونکہ متن خاموش ہے اس لیے اس کی بعد کی کیفیات سامنے نہیں آسکیں۔ جہاں تک پر میشر سنگھ کا تعلق ہے اس کی ٹریجڈی بھی واضح نہیں ہے۔ وہ پہلے خود ہی اختر کو کرتار ابنانے کے معاملے میں خود غرضی دکھاتا ہے۔ بعد میں جذباتی ہو کر اختر کو نئے وطن چھوڑنے چل پڑتا ہے۔

عنوان میں موجود لفظ "پر میشر" کے معنی "خدا" کے ہیں۔ عنوان کو ڈی کوڈ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ الہیت ایک مذہب تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ عالمگیر تصور ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو عنوان ان مذہبی شناختوں کو غیر مستحکم کرتا ہے اور سماج میں اس بات کی قبولیت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ اصل مذہب انسانیت ہے۔ جو کہ حقیقت پسندانہ نہیں بلکہ مثالی رویہ ہے۔ کیوں کہ آخر تک کہانی میں موجود کرداروں کے رویوں میں اس حوالے سے ذرا بھی تبدیلی نہیں آتی۔

اس افسانے پر ہونے والی تنقید کو مدِ نظر رکھا جائے تو اس میں انسان دوستی کے پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تنقیدی آرا میں پر میشر سنگھ کو ایسے کردار کے طور بیان کیا گیا ہے جو انسان دوستی، ہمدردی، ایثار، استقامت، خلوص اور رواداری جیسے اوصاف کا حامل

ہے۔وہ دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا ہے۔کسی بھی مذہب یا مسلک کی قید سے بالاتر ہو کر وہ انسانی وقار کو فوقیت دیتا ہے۔یہ تمام تنقیدی آرا پر میشر سنگھ کو ایک مثالی کردار کے درجے پر فائز کر دیتی ہیں۔غیاث الدین اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "پر میشر پر حالات اور فرقہ پرستی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔وہ ہر حال میں محبت، نیکی، خلوص اور قربانی کا علمبردار ہے۔اس کے دل میں انسانیت کا چشمہ بہتا ہے۔اس کے دوست اسے مشورہ دیتے ہیں کہ اپنے آپ کو بدل ڈالو۔موقع ہے ظلم وستم کرو اور فائدہ اٹھاؤ، لیکن وہ ایسا نہیں کرتا۔"(2)

اردو افسانے کی روایتی تنقید نے اس کو محض ایک کردار نہیں بلکہ ایک زندہ و جاوید انسان بنا کر پیش کر دیا ہے۔زاہدہ حنا نے اس کردار کو احمد ندیم قاسمی کی شخصیت کا پرتو تک کہہ دیا ہے۔وہ اس حوالے سے لکھتی ہیں:

> "لاہور کی مٹی میں پیرزادہ احمد ندیم اور پر میشر سنگھ ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے آرام کر رہے ہیں۔خالق و تخلیق کیسے شیر و شکر ہوئے ہیں۔کسی کی مجال ہے کہ احمد ندیم قاسمی کو پر میشر سنگھ سے جدا کر سکے۔کس کی ہمت ہے کہ اس افسانے کو گریہ کیے بغیر پڑھ سکے اور اسے فراموش کر سکے۔میں پنجاب کے اس پریم چند کو یاد کرتی ہوں جس کے پیر آخری لمحے تک رکاب سے نہیں نکلے۔"(3)

متن کے عمیق مطالعے سے یہ کردار تضادات کا شکار نظر آتا ہے۔ابتدا میں اسے نرم دل، پر خلوص اور انسانی ہمدردی کے حامل کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس کی نظر میں ہندو، سکھ اور مسلم مذاہب یکساں ہیں۔وہ اپنے ساتھیوں کو بھی انسانیت کے جذبے کی ترغیب دیتا نظر آتا ہے۔تاہم یہیں اس کی شخصیت کا پہلا تضاد سامنے آتا ہے کہ اگر وہ واقعی انسانی ہمدردی کے جذبے سے سرشار ہے تو وہ ڈاکوؤں کے اس گروہ کا حصہ کیوں بنتا ہے؟ متن سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ڈاکوؤں کے ساتھ ایسی وارداتوں میں پہلے بھی شریک رہا ہے۔اسی لیے اس کی بیوی اس سے کسی مال یا اغوا شدہ لڑکی کے لانے کی توقع رکھتی ہے جو کہ سو دو سو میں بک سکتی تھی۔بعد میں بھی وہ شرنارتھیوں سے لوٹا ہوا مال لے کر آتا ہے۔

نجی معاملات میں بھی اس کردار کے رویے میں استقامت نظر نہیں آتی۔متن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اپنی بیٹی سے محبت مثالی تھی۔وہ اس کے جذبات کا ہر طرح سے خیال رکھتا تھا۔کسی بھی معاملے میں اس سے ڈانٹ ڈپٹ والا رویہ اختیار نہیں کرتا تھا۔"بیٹی کو برا مت کہو، بیٹی بڑی مسکین ہوتی ہے۔یہ تو ایک مسافر ہے بیچاری۔ہمارے گھروندے میں سستانے بیٹھ گئی، وقت آئے گا تو چلی جائے گی۔"(4) بعد ازاں وہ بیٹے کی گم شدگی کا سارا غصہ بیٹی پر نکالتا ہے۔بات بے بات اسے پیٹ ڈالتا ہے۔نفسیاتی حوالے سے اس قسم کا رویہ ایک سادیت پسند (Sadist) شخص کا ہی ہو سکتا ہے۔ایسا شخص اپنے مسائل اور پریشانیوں کا ادراک حاصل نہیں کرتا بلکہ دوسروں کو ان کا قصوروار گردانتا ہے۔اس کی شخصیت کا متشددانہ پہلو صرف بیٹی تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ اپنی بیوی کو بھی بہت بری طرح مارتا ہے۔متن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ فسادات سے پہلے اس کا اپنے بیٹے کرتار سنگھ کے ساتھ بھی ایسا ہی رویہ تھا۔"دن میں کوئی دس بار تو یہ کرتار سنگھ کو گدھوں کی طرح پیٹ ڈالتا تھا۔"(5) اسی طرح ایک دن وہ غصے میں اختر کو بھی منہ پر زوردار تھپڑ مار دیتا ہے۔

تانیثی نقطہ نظر سے بھی پرمیشر سنگھ نسائی مخالف ذہنیت کا مالک ہے۔ یہ پدر سری معاشرے کا المیہ ہے کہ اس میں عورت اور مرد کے لیے دوہرے معاشرتی معیارات قائم ہوتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں عورت کو انسانی وقار اور احترام سے محروم سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت جب بھی ان نام نہاد اصولوں یا حدود سے تجاوز کرتی ہے تو اسے معتوب ٹھہرایا جاتا ہے۔ پرمیشر سنگھ بھی اسی معاشرے کا پروردہ ایک ایسا کردار ہے جو خود کو عورت کا حاکم سمجھتا ہے۔ اس کے مکالمے پدر سری سماج میں عورت سے غیر مساویانہ سلوک کا واضح اظہار یہ ہیں۔ وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے لیے "پگلیاں" اور "گدھیاں" کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس سے پرمیشر سنگھ کی حاکمانہ سوچ کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عورت کو بے وقوف اور کم فہم سمجھتا ہے۔ اسی طرح متن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ "امر کور کو بڑی ننگی ننگی گالیاں دیتا۔"[6] اسی طرح افسانے میں اس کی عورت مخالف سوچ کا اظہار اس طرح سے بھی ہوتا ہے "نکی تو ہوتی ہی ہیں یہ چھوکریاں۔ لڑکا ہوتا تو اب تک کتنے کام کر چکا ہوتا۔"[7] عورت کے حوالے سے پرمیشر سنگھ کے یہ تمام بیانیے اس بات کا واضح اظہار ہیں کہ اُس کے دل میں عورت کی عزت اور تکریم نہیں ہے۔ وہ عورتوں کو ذاتی جاگیر سمجھتے ہوئے انھیں اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔

اس کردار کا تضاد کئی اور صورتوں میں بھی سامنے آتا ہے۔ اپنے گھر میں وہ مقتدر (Authoritative) حیثیت رکھتا ہے اور بیوی اور بیٹی کو وہ اپنی مرضی کا تابع بنانا چاہتا ہے۔ تاہم گرنتھی جی جو کہ سماجی طاقت (Social power) کی علامت ہیں، ان کے سامنے اس کا رویہ ایک ماتحت کی طرح کا نظر آتا ہے:

> "دیکھو" گرنتھی جی نے بڑے دبدبے سے کہا۔ "کل سے یہ لڑکا خالصے کی سی پگڑی باندھے گا، کڑا پہنے گا ،دھرم شالہ آئے گا اور اسے پرشاد کھلایا جائے گا۔ اس کے کیسوں کو قینچی نہیں چھوئے گی، چھو گئی تو کل ہی سے یہ گھر خالی کر دو، سمجھے؟"
> "جی!" پرمیشر سنگھ نے آہستہ سے کہا
> "ہاں!" گرنتھی جی نے آخری ضرب لگائی۔۔۔ کچھ دیر کے بعد وہ اُٹھ کر گرنتھی جی کے سامنے آگیا "اچھا جی۔ اچھا۔"(8)

پرمیشر سنگھ جلد بازی میں جذباتی فیصلے کرنے کے حوالے سے منٹو کے افسانے "نیا قانون" کے مرکزی کردار منگو سے مماثلت رکھتا ہے۔ وہ اختر کو سکھ بنانے کے ارادے سے گھر لاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے جذبات کی ذرا پرواہ نہیں کرتا۔ بیوی کی مزاحمت پر اسے مارنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بعد ازاں اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ جبری فیصلہ ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی وہ اپنے پہلے فیصلے سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ "یہ لڑکا مسلمان ہی رہے گا۔ دربار صاحب کی سوں۔ میں کل ہی امرتسر جا کر اس کے انگریزی بال بنوا لاؤں گا۔"[9] اسی طرح افسانے کے اختتام پر اختر کو اس کے نئے وطن چھوڑ کر آنے کا فیصلہ بھی جذباتی دکھائی دیتا ہے۔ اگر وہ اختر کو واقعی اس کے ملک بھیجنا چاہتا تھا تو اسے فوجیوں کی اس ٹیم کے سپرد کر دیتا جو ان کے گاؤں آئی تھی۔ یوں وہ اپنے درست ٹھکانے تک پہنچ سکتا تھا۔ تاہم پرمیشر سنگھ اچانک اختر کو اس کے نئے وطن بھیجنے کا فیصلہ کرتا ہے

اور اس کی ماں کا اتا پتا معلوم کیے بغیر اسے سرحد کے پاس لا کر چھوڑ دیتا ہے جہاں وہ اختر کے کیس کا ٹنا بھول جاتا ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ پرمیشر سنگھ جلد بازی میں غیر منطقی فیصلے کرتا ہے۔

متن میں کئی گرے ایریاز بھی موجود ہیں۔ مثلاً افسانے کے آغاز میں جب اختر قافلے سے بچھڑ جاتا ہے تو اس کی ماں کا انتہائی غیر منطقی رویہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ''پھر اب کہیں آ ہی رہا ہو گا۔ سمجھ دار ہے، پانچ سال سے تو کچھ اوپر ہو چلا ہے، آ جائے گا۔ وہاں پاکستان میں ذرا ٹھکانے سے بیٹھوں گی تو ڈھونڈ لوں گی۔''(10) سوال یہ ہے کہ اولاً یہ کوئی عام قافلہ نہیں ہے بلکہ اُن مہاجرین کا ہے جو فسادات اور لوٹ مار کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔ ایسی صورت حال میں تو ہر شخص خود سے متعلقہ لوگوں کے بارے میں زیادہ حساس ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اختر کی ماں کا یہ عدم توجہی کا رویہ سوالیہ نشان ہے۔ اختر کی ماں کی بے گانگی اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ یا تو وہ ان فسادات سے شدید متاثرہ ہے یا اس کی ذہنی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ بہر حال کسی بھی صورت میں ایک ماں کا اتنے کم سن بچے کے بارے میں بے گانگی کا یہ رویہ غیر یقینی ہے۔

متن میں اختر کے گھرانے کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ اس کے گھرانے میں کتنے افراد شامل ہیں؟ اس کے بہن بھائی ہیں یا وہ اکلوتا ہے؟ اس کے والد کہاں ہیں؟ کیا اُن کا انتقال ہو چکا ہے؟ کب ہوا؟ اُس کی پرورش کس ماحول میں ہوئی ہے؟۔ اختر عمر کے جس حصے میں ہے اس میں بچے اپنے آس پاس کے ماحول کا شعور حاصل کر لیتے ہیں۔ انھیں اپنے رشتوں اور ان سے حاصل ہونے والی محبت یا اپنائیت کا بہت اچھی طرح سے ادراک ہوتا ہے۔ تاہم متن میں اختر اپنی ماں کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں کرتا اور نہ ہی پرمیشر سنگھ اور اس کے گھر کے لوگ اس سے ایسی کوئی بات پوچھتے ہیں۔ اختر کی ماں کا ذکر بھی صرف افسانے کی ابتدا میں ہوتا ہے۔ بعد ازاں متن اس کے بارے کسی بھی قسم کی معلومات دینے سے قاصر ہے۔

افسانے میں مکانیت کے حوالے سے بھی ابہام موجود ہے۔ کہانی کے اختتام پر پرمیشر اور اختر شام کو سرحد کی طرف جانے کا سفر شروع کرتے ہیں۔ صبح کے دھندلکے میں وہ سرحد پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات واضح نہیں ہے کہ صبح تک انھوں نے کتنی مسافت طے کی۔ ایک رات میں پیدل سفر مکمل کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا گاؤں قریب ہی تھا۔ اگر وہ اتنا قریب رہ رہا تھا تو اس نے اختر کو نئے وطن بھیجنے کی پہلے کوشش کیوں نہیں کی؟ اس صورت حال کے مطابق تو وہ اپنے بیٹے کو بھی تلاش کرنے کے لیے آ سکتا تھا۔ تاہم متن میں پرمیشر سنگھ اپنے بیٹے کرتار سنگھ کو ڈھونڈنے کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش کرتا نظر نہیں آتا جس طرح کی کوشش ہمیں راجندر سنگھ بیدی کے افسانے ''لاجونتی'' میں سندر لال کی جانب سے لاجونتی کے لیے دکھائی دیتی ہے۔

متن میں بہت سی جگہوں پر ڈکشن کے اور واقعاتی خلا موجود ہیں۔ ایک خلا اس وقت دیکھنے کو ملتا ہے جب اختر قافلے سے بچھڑ جاتا ہے اور راوی ایسی صورت حال کو افسانوی رنگ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ''اختر تو سرحد سے کوئی پندرہ میل ادھر یونہی بس کسی وجہ کے بغیر اتنے بڑے قافلے سے کٹ گیا تھا۔ اپنی ماں کے خیال کے مطابق اس نے کسی تتلی کا تعاقب کیا یا کسی کھیت میں سے گنا

توڑنے گیا اور توڑ تا رہ گیا۔ ایک پانچ سالہ بچے کی گمشدگی پر جس تناؤ کی صورت حال کو پیش کیے جانے کی توقع تھی وہ دکھائی نہیں دیتی۔ اس کی بجائے ڈر کی اس صورت حال کو راوی فنتاسی (Fantasy) کے انداز میں پیش کر رہا ہے۔

دوسرا خلا اس وقت سامنے آتا ہے جب پرمیشر سنگھ کے پڑوسی اختر کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ اس کے کیس بڑے ہوں گے تو یہ بالکل کرتارا لگے گا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کے نئے گاؤں کے پڑوسی بھی اس کے ساتھ ہجرت کر کے امرتسر آئے ہیں؟ کیوں کہ کرتار سنگھ تو یہاں پہنچنے سے پہلے ہی لاپتا ہو گیا تھا۔ پھر ان پڑوسیوں نے اسے کہاں دیکھا کہ انھیں اختر اور کرتار سنگھ میں مشابہت نظر آئی۔ کیونکہ متن میں اس نئے گاؤں کا رہنے والا کوئی بھی کردار پرمیشر سنگھ کے ساتھ نہ تو ماضی کے حوالے سے اور نہ ہی ہجرت اور فسادات سے متعلق کوئی بات کرتا ہے۔ جس پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی کردار بھی پرمیشر سنگھ کے ساتھ ہجرت کے تجربے سے نہیں گزرا تھا اور اگر گاؤں کا کوئی کردار اس تجربے سے گزرا بھی تھا تو اس بارے میں متن خاموش ہے۔ پوری کہانی اضدادی جوڑوں (Binary oppositions) کے ساتھ چلتی ہے۔ پہلا اضدادی جوڑا سکھ اور مسلمان کردار کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ کبڈی کے میدان میں اختر اور اس کا مدِ مقابل دونوں ایک دوسرے کو گالی بھی اسی فرق کی بنا پر دیتے ہیں، "مُسلا" اور "سکھڑا"۔ پرمیشر سنگھ اور اختر دونوں کو اس بات کا ادراک ہے کہ اُن کا تعلق مختلف مذاہب سے ہے۔ یہ اضدادی جوڑا اس لیے زیادہ واضح صورت میں سامنے آتا ہے کہ پورے گاؤں میں اختر واحد مسلم کردار ہے۔ ان دونوں کرداروں کو اس مذہبی منافرت کا احساس بھی ہے جو پورے سماج پر چھائی ہوئی ہے۔ انھیں اس بات کا بھی ادراک ہے کہ ایک دوسرے کی نقل مکانی کے ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہیں۔

دوسرا اسیلف (self) اور other کا جوڑا ہے۔ اس کی بنیاد بھی مذہب ہے۔ گاؤں کی باقی آبادی سکھ ہے اس لیے ان کے ہاں دوئی نہیں ہے۔ اختر چونکہ مسلمان ہے اس لیے وہ باقی سب کے لیے other ہے۔ ایک طرف گاؤں کے لوگ اسے قبول نہیں کر پاتے اور دوسری طرف اسے سکھ بنا کر otherness کی تفریق کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

تیسری بائنری حقیقت اور مثالیت کی ہے۔ پرمیشر سنگھ کی اختر سے محبت اور ہمدردی مثالی ہے جبکہ باقی سارے معاشرے کا اختر کے حوالے سے رویہ حقیقت پسندی پر مبنی ہے۔ پرمیشر سنگھ کی اپنی اخلاقیات ہے تاہم بیرونی حقیقت اسے قبول نہیں کر رہی۔ وہ ایک ایسا سٹیریو ٹائپ کردار ہے جو بار بار مثالیت اور حقیقت کے درمیان شفٹ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ پرمیشر سنگھ کی مثالیت داخلی طور پر اسے غیر جانبدار ظاہر کرتی ہے جبکہ خارجی طور پر اسے بھی معلوم ہے کہ یہ معاشرہ اس کی اخلاقیات کو کبھی قبول نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی مثالیت پسندی اور حقیقت نگاری اسے ذات مرکز بنا دیتی ہے۔

مثالیت کے نقطہ نظر سے متن ایک پانچ سال کے بچے کو سمجھ دار اور باشعور دکھا رہا ہے۔ وہ اتنا پر اعتماد ہے کہ اس کی ماں کو اس بات کی فکر ہی نہیں ہے کہ وہ قافلے سے بچھڑ کر بھٹک نہ جائے۔ اس مثالیت پسندی سے ہٹ کر یہی متن اختر کے بارے میں بتاتا ہے کہ اس کے سامنے خدا کا تصور ہی واضح نہیں ہے۔ اسی طرح اختر بار بار ایک ہی جملہ دہراتا ہے "اماں پاس جانا ہے"۔ یہ حقیقت پسندانہ نقطہ نظر ہے جو بتاتا ہے کہ اختر ابھی تک پورا جملہ بولنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔

متن میں یہ بائنریز مستحکم نہیں ہیں، بار بار بدلتی اور الٹ پلٹ کا شکار ہوتی ہیں۔ ابتدا میں متن سے پتا چلتا ہے کہ پرمیشر سنگھ لاہور سے ہجرت کر کے امرتسر آتا ہے۔ اس ہجرت کی بنیادی وجہ تقسیم اور مذہب ہے۔ امرتسر میں اسے جو گھر ملتا ہے وہ مسلمانوں کا ہے۔ منطقی نقطہ نظر سے تو اسے اس گھر میں رہنے سے انکار کر دینا چاہیے تھا، تاہم وہ اس حوالے سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتا۔ بعد ازاں مسلم لڑکے (اختر) کو سکھوں سے نہ صرف بچاتا ہے بلکہ اسے اپنے گھر بھی لے جاتا ہے۔ اسی غیر مذہب لڑکے کے لیے وہ اپنی بیوی اور بیٹی سے لڑتا بھی ہے۔ اختر کو وہ قرآن پڑھنے کی ترغیب دیتا ہے کہ کہیں اسے بھول ہی نہ جائے۔ اسی طرح پرمیشر کی بیوی شروع میں اختر کو مذہبی منافرت کی وجہ سے قبول نہیں کرتی۔ بعد میں متن سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ اسے نہلاتی ہے، اس کے سر میں تیل لگاتی ہے اور اس سے شفقت سے پیش آتی ہے۔ اسی طرح بنتو (پرمیشر سنگھ کی بیوی) ابتدا میں ایک مضبوط کردار کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نے بیٹے کے غم کو سہہ لیا ہے اور پرمیشر سنگھ اس حادثے کے زیر اثر نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے اس کی بیوی کہتی ہے "میں تو خیر رو دھو لی، پر اس کا رونے سے بھی جی ہلکا نہیں ہوا"۔ بعد ازاں متن بتاتا ہے کہ پرمیشر سنگھ بیٹے کے دکھ پر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن بنتو اور امرکور دھاڑیں مار مار کر روتی ہیں۔ اختر کے رویے میں بھی بائنریز کا یہ ردوبدل جاری نظر آتا ہے۔ ایک طرف وہ پرمیشر کو سکھ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتا دوسری طرف بیماری میں وہ صرف اسی کے ہاتھ سے پانی پینا چاہتا ہے۔ دونوں طرح کی بائنریز کے درمیان جو لکیریں ہیں وہ واضح نہیں ہیں۔ اس لیے یہ بائنریز ایک دوسرے میں خلط ملط ہوتی نظر آتی ہیں۔

بحیثیت مجموعی یہ افسانہ سماج کی مقررہ ثقافتی اور مذہبی شناختوں کو نشان زد کرتا ہے۔ تاہم اُن شناختوں سے مزاحم ہونے کی جرات نہ کسی فرد میں ہے اور نہ خود سماج میں۔ بظاہر افسانہ ان مقررہ شناختوں کو ہدف بناتا ہے تاہم شناختوں کی مذہب اساس طاقت کو نہ تو کہانی چیلنج کر سکی ہے اور نہ ہی ان کو توڑ پائی ہے۔ پرمیشر سنگھ کو اگر ہم مثالیت پسندی کے تناظر میں دیکھیں تو اس کا سماجی دائرہ اسے کسی صورت قبول نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اختر، اختر رہتا ہے اور بنتو، امرکور کی سوچ میں بھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ جو کردار جس ڈسکورسکے ساتھ ہے کہانی کے آخر تک وہ وہیں کھڑا نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

قاسمی، احمد ندیم۔ بازارِ حیات (لاہور: اساطیر، 1995ء)، 27۔

غیاث الدین، محمد، ہندو مسلم فسادات اور اردو افسانہ (لاہور: نگارشات، 1999ء)، 190۔

زاہدہ حنا، "پنجاب کا پریم چند"، مشمولہ ماہِ نو، ندیم نمبر (، جلد: 2016، 69ء)، 106۔

قاسمی، احمد ندیم۔ بازارِ حیات، 191۔

ایضاً، 191۔

ایضاً، 17۔

ایضاً، 17۔

ایضاً، 15۔

ایضاً، 14-15۔

ایضاً، 7۔

References in Roman Script

1. Qasmi, Ahmad Nadeem. Bazar-e Hayat (Lahore: Asatir, 1995), 27.
2. Ghiyasuddin, Muhammad, Hindu Muslim Riots and Urdu Fiction (Lahore: Publications, 1999), 190.
3. Zahida Hina, "Punjab Ka Prem Chand", Vol. No. 9, Nadeem No. (2016), Vol. 69, 106.
4. Qasmi, Ahmed Nadeem. Bazar-e Hayat, 191.
5. Ibid, 191.
6. Ibid, 17.
7. Ibid, 17.
8. Ibid, 15.
9. Ibid, 14-15.
10. Ibid, 7.